اضافی مطالعہ

۱ اُمّید کی خوشی

سرسیّد احمد خاں

پیش درس

انشائیہ نثری ادب کی ایک صنف ہے جس میں کسی موضوع کے حوالے سے انوکھے خیالات، تاثرات اور احساسات کو ادبی پیرایے میں بیان کیا جاتا ہے۔ انشائیہ نگار کے نقطۂ نظر اور اس کی انوکھی سوچ کے علاوہ انشائیے میں شخصی اظہار کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ غیر رسمی طریقۂ کار، شگفتگی، بے تکلفی اور آزادانہ اظہارِ خیال انشائیے کو ایک لطیف نثر پارہ بناتے ہیں۔

اُردو کی چند نئی اصناف کی طرح انشائیہ بھی مغربی ادب سے مستعار ہے۔ فرانسیسی ادیب مونتین اس کا موجد ہے۔ Essay یا Personal Essay کے نام سے معروف اس صنف کو کئی زبانوں نے اپنایا۔ انگریزی میں بیکن، ہیزلٹ، لیمب، ایڈیسن، اسٹیل، جانسن اور اے جی گارڈنر جیسے ادیبوں نے اسے پروان چڑھایا۔

سرسیّد احمد خاں نے انگریزی 'ایسے' کی طرز پر اُردو میں انشائیے تحریر کیے۔ ان کے ہم عصر ادیبوں میر ناصر علی، عبدالحلیم شرؔر، خلیقی دہلوی، سجاد حیدر یلدرم، خواجہ حسن نظامی وغیرہ کے مضامین میں انشائیوں کا رنگ و آہنگ موجود ہے۔

جدید انشائیہ نگاروں میں ڈاکٹر وزیر آغا نے اس صنف کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ ان کی ادارت میں شائع ہونے والے ماہنامے 'اوراق' میں کئی انشائیہ نگاروں کو متعارف کیا گیا۔

انشائیہ عام مضامین اور مقالات سے مختلف ہوا کرتا ہے۔ مقالات کے مطالعے سے ہماری معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ انشائیہ پڑھ کر گویا ہم کسی ایسی حقیقت سے واقف ہوتے ہیں جو روزانہ کی سادہ اور سپاٹ زندگی میں ہماری آنکھوں سے اوجھل رہتی ہے۔ انشائیہ نگار اپنے ذاتی اور انفرادی تجربات و محسوسات کو بے تکلفی کے ساتھ دلچسپ انداز میں پیش کرتا ہے۔ انشائیہ ناول اور افسانے سے مختلف قسم کی تحریر ہے۔ افسانے اور ناول میں مرکزی خیال کا ہونا ضروری ہے۔ انشائیے میں واقعات ہو سکتے ہیں لیکن ان کا مقصد کہانی کی پیش کش نہیں بلکہ انشائیہ نگار ان کی مدد سے اپنی بات مکمل کرتا ہے۔ انشائیہ ذہن کی آوارہ خیالی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ انشائیہ نگار کے لیے موضوع کی کوئی قید نہیں۔ وہ اپنی ذہنی ترنگ اور تخیل کے سہارے معمولی موضوعات پر بھی انوکھے خیالات پیش کر کے انسانی فطرت کے کسی نیم تاریک گوشے کو منور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اُردو میں کئی ادیبوں نے مختلف موضوعات پر معیاری انشائیے تحریر کیے ہیں۔

جان پہچان

سرسیّد احمد خاں ۱۷/اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دلّی میں پیدا ہوئے۔ فارسی، عربی اور مشرقی علوم سے فراغت کے بعد وہ بائیس سال کی عمر میں عدالت صدر امین (دلّی) کے محکمے سے منسلک ہوئے۔ کچھ عرصے بعد وہ کمشنر آگرہ کے دفتر میں نائب منشی بنے، پھر مین پوری میں سرکاری خدمات انجام دیں۔ بہادر شاہ ظفرؔ نے انھیں جوادالدولہ عارف جنگ کا خطاب عطا کیا۔ مرادآباد، علی گڑھ اور بنارس میں صدر الصدور کے منصب پر بھی وہ فائز رہے۔ ۱۸۷۶ء میں وظیفہ یاب ہو کر قومی خدمت میں سرگرم ہو گئے۔

سرسیّد نے ہندوستانی مسلمانوں میں جدید سائنسی تعلیم کو فروغ دینے کی غرض سے سائنٹفک سوسائٹی قائم کی اور رسالہ 'تہذیب الاخلاق' جاری کیا۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ ۱۸۷۷ء میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کا قیام ہے جو بعد میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تبدیل ہو گیا۔

سرسیّد کی تصانیف میں 'آثار الصنادید، اسبابِ بغاوتِ ہند، خطباتِ احمدیہ' اور 'تاریخِ سرکشیِ بجنور' اہم ہیں۔ ان کا عظیم الشان ادبی کارنامہ ان کے وہ مضامین ہیں جو 'تہذیب الاخلاق' میں شائع ہوئے ہیں۔ ان کی نثر میں علمی متانت، فطری سادگی، بے ساختگی اور استدلال

کا حسن ہے۔ سرسیّد نے ایڈیسن اور اسٹیل کے طرز پر مضامین لکھے۔ انگریزی کے ان مشہور انشائیہ نگاروں کے ہاں معاشرے کی اصلاح کا جذبہ نمایاں ہے۔ سرسیّد بھی اسی جذبے سے سرشار تھے۔ ان کے مضامین میں 'اُمید کی خوشی' کو اُردو انشائیے کا اوّلین نقش تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ مضمون انگریزی سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ سرسیّد کا انتقال ۲۷/ مارچ ۱۸۹۸ء کو علی گڑھ میں ہوا۔

او نورانی چہرہ والے یقین کی اکلوتی خوب صورت بیٹی اُمید! خدائی روشنی تیرے ہی ساتھ ہے۔ تو ہی ہماری مصیبت کے وقتوں میں ہم کو تسلی دیتی ہے۔ تو ہی ہمارے آڑے وقتوں میں ہماری مدد کرتی ہے۔ تیری ہی بدولت نہایت دور دراز خوشیاں ہم کو نہایت ہی پاس نظر آتی ہیں۔ تیرے ہی سہارے زندگی کی مشکل مشکل گھاٹیاں ہم طے کرتے ہیں۔ تیرے ہی سبب سے ہمارے خوابیدہ خیال جاگتے ہیں۔ تیری ہی برکت سے خوشی، خوشی کے لیے نام آوری، نام آوری کے لیے بہادری، بہادری کے لیے فیاضی، فیاضی کے لیے محبت، محبت کے لیے نیکی تیار ہے۔ انسان کی تمام خوبیاں اور ساری نیکیاں تیرے ہی تابع اور تیری ہی فرماں بردار ہیں۔

اے آسمانوں کی روشنی اور اے نا اُمید دِلوں کی تسلی اُمید! تیرے ہی شاداب اور سرسبز باغ سے ہر ایک محبت کا پھل ملتا ہے۔ تیرے ہی پاس ہر درد کی دوا ہے۔ تجھی سے ہر ایک رنج میں آسودگی ہے۔ عقل کے درمیان جنگلوں میں بھٹکتے بھٹکتے تھکا ہوا مسافر تیرے ہی گھنے باغ کے سرسبز درختوں کے سایے کو ڈھونڈتا ہے۔ وہاں کی ٹھنڈی ہوا، خوش الحان جانوروں کے راگ، بہتی نہروں کی لہریں اس کے دل کو راحت دیتی ہیں۔ اس کے مرے ہوئے خیالات کو پھر زندہ کرتی ہیں۔ تمام فکریں دل سے دور ہوتی ہیں اور دور دراز زمانے کی خیالی خوشیاں سب آموجود ہوتی ہیں۔

دیکھ! نادان بے بس بچہ گہوارے میں سوتا ہے۔ اس کی مصیبت زدہ ماں اپنے کام میں لگی ہوئی ہے اور اس کے گہوارے کی ڈوری بھی ہلاتی جاتی ہے۔ ہاتھ کام میں اور دل بچے میں ہے اور زبان سے اس کو یوں لوری دیتی ہے: سو جا میرے بچے سو جا، اے میرے دل کی کونپل سو جا۔ اور پھل پھول! تجھ پر کبھی خزاں نہ آنے پائے۔ تیری ٹہنی میں کوئی خار کبھی نہ پھوٹے۔ کوئی کٹھن گھڑی تجھ پر نہ آوے۔ کوئی مصیبت جو تیرے ماں باپ نے بھگتی، تو نہ دیکھے۔ سو جا میرے بچے، سو جا۔

یہ اُمید کی خوشیاں ماں کو اس وقت تھیں جب بچہ غوں غاں بھی نہیں کرسکتا تھا مگر جب وہ ذرا اور بڑا ہوا اور معصوم ہنسی سے اپنی ماں کے دل کو شاد کرنے لگا اور امّاں امّاں کہنا سیکھا، پھر مکتب سے اس کو سروکار پڑا۔ رات کو اپنی ماں کے سامنے دن کا پڑھا ہوا سبق سنانے لگا اور جب وہ تاروں کی چھاؤں میں اُٹھ کر ہاتھ منہ دھوکر اپنے ماں باپ کے ساتھ صبح کی نماز میں کھڑا ہونے لگا اور اپنے بے گناہ دل، بے گناہ زبان سے، بے ریا خیال سے خدا کا نام پکارنے لگا تو اُمید کی خوشیاں کس قدر زیادہ ہوگئیں۔ آہ، ہماری پیاری اُمید! تو ہی ہے جو مہد سے لحد تک ہمارے ساتھ رہتی ہے۔

دیکھ وہ بے گناہ قیدی اندھیرے کنویں میں سات تہ خانوں میں بند ہے۔ اس کا چہرہ زرد ہے۔ بے یار و دیار غیر قوم کے لوگوں کے ہاتھوں میں قید ہے۔ بڈھے باپ کا غم اس کی روح کو صدمہ پہنچاتا ہے۔ عزیز بھائی کی جدائی اس کے دل کو غمگین رکھتی ہے۔ قیدخانے کی مصیبت، اس کی تنہائی، اس کا گہرا اندھیرا اور اس پر اپنی بے گناہی کا خیال اس کو نہایت ہی رنجیدہ رکھتا ہے۔ اس وقت کوئی اس کا ساتھی نہیں ہے مگر اے ہمیشہ رہنے والی اُمید! تجھی میں اس کی خوشی ہے۔

وہ دلاور سپاہی لڑائی کے میدان میں کھڑا ہے۔ کوچ پر کوچ کرتے تھک گیا ہے۔ ہزاروں خطرے درپیش ہیں مگر سب میں اس کو تقویت تجھی سے ہے۔ وہ جب اپنے ساتھی کو خون میں لتھڑا ہوا زمین پر پڑا دیکھتا ہے تو اے بہادروں کی قوتِ بازو اور اے بہادری کی ماں! تیرے ہی سبب سے فتح مندی کا خیال اس کے دل کو تقویت دیتا ہے۔ ان کے کان نقارے میں تیرے ہی نغمے کی آواز سنتے ہیں۔

اے ہمیشہ زندہ رہنے والی اُمید! جبکہ زندگی کا چراغ ٹمٹماتا ہے اور دنیاوی حیات کا آفتاب لبِ بام ہوتا ہے، پاؤں میں گرمی نہیں رہتی، رنگ فق ہوجاتا ہے، منہ پر مردنی چھا جاتی ہے، ہوا ہوا میں، پانی پانی میں، مٹی مٹی میں ملنے کو ہوتی ہے تو تیرے ہی سہارے وہ کٹھن گھڑی آسان ہوتی ہے۔

اس وقت بند ہوتی ہوئی آنکھوں اور غفلت کے دریا میں ڈوبے ہوئے دل کو تیری یادگاری ہوتی ہے۔ تیرا نورانی چہرہ دِکھائی دیتا ہے، تیری صدا کان میں آتی ہے اور ایک نئی روح اور تازہ خوشی حاصل ہوتی ہے اور ایک نئی لازوال زندگی کی جس میں ایک ہمیشہ رہنے والی خوشی ہوگی، اُمید ہوتی ہے۔ یہ تکلیف کا وقت تیرے سبب سے ہمارے لیے موسمِ بہار کی آمد آمد کا زمانہ ہوجاتا ہے۔ اس لازوال آنے والی خوشی کی اُمید تمام دنیاوی رنجوں اور جسمانی تکلیفوں کو بھلا دیتی ہے اور غم کی شام کو خوشی کی صبح میں بدل دیتی ہے گو کہ موت ہر دم جتاتی ہے کہ مرنا بہت خوفناک چیز ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ بے یقینوں کو موت کی کٹھن گھڑی میں کچھ اُمید نہیں ہوتی مگر میں دیکھتا ہوں کہ تیری بادشاہت وہاں بھی ہے۔ قیامت پر یقین نہ کرنے والا سمجھتا ہے کہ تمام زندگی کی تکلیفوں کا اب خاتمہ ہے اور پھر کسی تکلیف کے ہونے کی توقع نہیں ہے۔ وہ اپنے اس بے تکلیف آنے والے زمانے کی اُمید میں نہایت بُردباری سے اور رنجوں کے زمانے کے اخیر ہونے کی خوشی میں نہایت بشاشت سے جان دیتا ہے۔

مشقی سرگرمیاں

❋ ذیل کی سرگرمیاں ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ اُن افراد اور ان کی اُمیدوں کا ذکر کیجیے جن کا آخری سہارا اُمید ہوتی ہے۔

۲۔ 'ماں کی لوری' اپنے الفاظ میں تحریر کیجیے۔

۳۔ موت کے وقت اُمید کے سہارے کی وضاحت کیجیے۔

۴۔ 'اُمید' سے متعلق اپنی رائے بیان کیجیے۔

❋ ذیل کی سرگرمیاں ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ مصنف نے اُمید کو جن فقروں سے پکارا ہے، اُن کی وضاحت کیجیے۔

۲۔ ''انسان کی تمام خوبیاں اور ساری نیکیاں تیرے ہی تابع اور تیری ہی فرماں بردار ہیں۔'' اس بیان پر اپنی رائے تحریر کیجیے۔

۳۔ ''اُمید تو ہی ہے جو مہد سے لحد تک ہمارے ساتھ رہتی ہے۔'' اس بیان کے لیے سبق سے مثالیں تلاش کر کے لکھیے۔

۴۔ ''اُمید غم کی شام کو خوشی کی صبح میں بدل دیتی ہے۔'' اس جملے کی تائید میں اپنا خیال/کہانی/واقعہ بیان کیجیے۔

سرگرمی/منصوبہ سابقہ درسی کتابوں سے سرسیّد احمد خاں کے کسی ایک انشائیے کو نقل کیجیے اور اس پر اپنی رائے کا اظہار کیجیے۔